

دورتا بعین میں مغازی و سیرت نگاری

محمود الحسن عارف*

حدیث اور سیرت کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ”سیرت طیبہ“ کی تدوین و تالیف پر کام تو اسی دن شروع ہو گیا تھا، جس دن اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر سرفراز کیا تھا؛ اور جیسے ہی آپ اولین وحی الہی کا تحمل فرما کر واپس تشریف لائے تھے، تو ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے آپ کی جن الفاظ میں پذیرائی کی تھی اسی سے آپ کی سیرت نگاری کی ابتدا ہو گئی تھی۔ (۱)

لیکن ابتدائی دنوں، یعنی عہد صحابہ میں یہ کام بغیر کسی واضح نام یا واضح عنوان کے جاری رہا اور دوسرے علوم و فنون کی طرح اس کی ابتدائی نشوونما بھی ”علم الحدیث“ کے تحت انجام پاتی رہی۔

لیکن جلد ہی دوسرے علوم و فنون کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی تدوین ”سیرت“ اور ”مغازی“ کے عنوانات کے تحت ہونے لگی آگے بڑھنے سے پہلے دونوں الفاظ کا لغوی تجزیہ بڑی دل چسپی کا حامل ہے۔

۱۔ سیرت کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

لفظ ”سیرت“ کا مادہ س۔ ی۔ ر (ساریسر سیرا و مسیرا) ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں چلنا، پھرنا چنانچہ عصر حاضر کی ایک جدید ڈکشنری میں سار کے معنی تھرک (be in motin)، اشتعل (مشغول ہونا، be in actin)، دَرَج (داخل ہونا be casreoit) ذہب (جانا Depart)، تقدّم (آگے بڑھنا، to farward)، مُشّی (چلنا To move)، اور سَلک (تعریف کرنا، behave) کے ہیں، جبکہ سیرۃ کے معنی رویے اور انداز (conduct, behavior) کے ہیں (۲)

معروف ماہر لسانیات الزبیدی کے مطابق ”السیر“ کے معنی جانے اور سفر کرنے کے ہیں، خواہ یہ سفر دن

میں ہو یا رات میں (السیر الذہاب نہاراً اولیلاً) اور السیرۃ کے معنی مسافت کے ہیں جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: نصرت بالرعب مسيرة، شہر۔ (میری ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے)

سار الرجل کے معنی ذاتی طور پر چلنے اور حرکت کرنے کے ہیں اور سار بہ کے معنی ہیں چلانا یا لے جانا۔ اسی طرح سیرۃ کے معنی بھی چلانے اور لے جانے کے ہیں اور اس سے اسم فعل السیرۃ ہے بمعنی چال) جبکہ مجازی طور پر اس کے معنی سیرۃ اور طریقہ کے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے۔ سار الوالی فی رعیتہ سیرۃً حسنۃ (والی نے اپنی رعایا میں اچھا طریقہ اختیار کیا)، اسی طرح صحت و حالت کو بھی سیرت کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے، سَعِيدٌ هَاسِرٌ تَهَاؤُوهٖ (۳) ہم اسے عنقریب اس کی ابتدائی حالت پر لوٹا دیں گے اس سے واضح ہوا کہ لغوی اعتبار سے ”سیرت“ کے معنی چلنے اور چلانے کے ہیں (۴)

جبکہ ابن منظور الافریقی کے مطابق سار سیر سے اسم فعل السیرۃ ہے، جس کے لغوی معنی ضرب من السیر یعنی ”چال کی ایک قسم“ ہے اور پھر اس کا استعمال حسن اخلاق اور حسن سیرت پر ہونے لگا چنانچہ کہا جاتا ہے۔ انه لحسن السیرۃ (بے شک وہ البتہ اچھی سیرت والے ہیں) (۵)

نامور محقق اور قرآنی مفردات کے ماہر امام راغب الاصفہانی اس لفظ کے تحت فرماتے ہیں ”السیر کے معنی زمین پر چلنے کے ہیں اور چلنے والے آدمی کو سائر اور سائر کہا جاتا ہے، اور ایک ساتھ چلنے والوں کی جماعت کو ”سیرۃ“ کہتے ہیں، چنانچہ قرآن حکیم میں ہے، وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ (۶) (اس کنویں کے قریب ایک قافلہ آیا) اور سیرت کے معنی ہیں، چلنا اور سیر بغلان کے معنی چلانے کے ہیں اس طرح قرآن کریم میں یہ لفظ چار معانی میں استعمال ہوا (۱) چلنا، پھرنا فرمایا: اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ (۷)“ (کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں) اور (۲) چلانا، اس کے متعلق قرآن کریم میں ہے: وَسَارَ بَاهِلِيَهٗ (دہ اپنے گھر والوں کو لے کر چلے) اور حرف صلہ (باء) کے بغیر سرت (چلانے) کا استعمال قرآن کریم میں نہیں ہے، جبکہ چوتھی صوت نکشیر یعنی کثرت کے مفہوم میں استعمال کی ہے، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَسَيَّرَتِ الْجِبَالُ (اور پہاڑ چلا دیئے جائیں گے) اسی طرح اس سے بعض علما کے مطابق جسمانی اور بعض کے مطابق فکری سیاحت مراد ہے۔ (۸)

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ لفظ سیرت میں بڑی فکری وسعت پائی جاتی ہے چنانچہ ماہرین لغت

کے مطابق لفظ ”سیرۃ“ کے درج ذیل معانی ہیں:

۱۔ چلنا، جانا، روانہ ہونا۔

۲۔ سنت، طریقہ، روش۔

۳۔ مذہب و مسلک۔

۴۔ صحت و شکل۔

۵۔ حالت و کیفیت۔

۶۔ کردار و عمل۔

۷۔ کہانی، واقعہ، پرانے لوگوں کے قصے اور واقعات، جیسے سیرت سیف بن ذی یزن۔

۸۔ خصوصیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کا بیان اور بعد ازاں۔

۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کا بیان جو قرآن حکیم میں صلح اور جنگ میں آپؐ نے غیر مسلموں کے ساتھ روا

رکھا۔ اور آخری صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات کا بیان، یعنی سوانح عمری، Biograph لیکن

توسیع صورت قوی ابطال کے حالات و واقعات، (۹)

ان معانی میں سب سے آخر میں جو مفہوم دیا گیا ہے، وہی اس لفظ کا اصطلاحی مفہوم ہے یعنی نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی آپ کے رویے اور مختلف کاموں کو کرنے کا آغاز اس طرح یہ لفظ اپنے اندر بڑی

معنوی وسعت اور شان و شوکت رکھتا ہے۔

۲۔ مغازی کا معنی:

جبکہ دوسرا لفظ ”مغازی“ ہے، جو ابتدائی دنوں میں اس مقصد کے لیے یا زیادہ صحیح الفاظ میں نبی اکرم ﷺ

کے ”غزوات“ کے لیے استعمال ہوتا رہا، عجیب بات یہ ہے کہ اس کے لغوی معنی بھی حرکت اور سفر کرنے کے ہیں۔

غزی یغزو غزواً و غزواً کسی شے کا ارادہ کرنا اور اس کو طلب کرنا، اور الغزوه (حرف نین پر زیر کے

ساتھ) وہ شے جس کا قصد اور ارادہ کیا جائے جبکہ غزو کے معنی ہیں ”دشمن سے لڑنے اور اس کا سامان لوٹنے کی غرض

سے اس کی طرف بڑھنے کے ہیں اور لڑنے والے کو مغازی (جمع غزاة، غزاً) بھی کہا جاتا ہے، جبکہ مغازی کے معنی

غازیوں کے فضائل و مناقب کے ہیں، جبکہ الازھری کے مطابق مغربی اور مغازی کے معنی ”جائے قتال“ کے ہیں۔

قرآن کریم اور احادیث نبویہ دونوں میں یہ لفظ اسی معنی و مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ (۱۰)

علماء کے ہاں ”غزوة“ اور سیرہ میں یہ فرق کیا جاتا ہے کہ ”غزوة“ اس جنگ کو کہا جاتا ہے، جس جنگ میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت کی ہو اور ”سیرہ“ اسے کہتے ہیں کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو امیر بنا کر ارسال کیا ہو۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ ”غزوة“ کے بنیادی مفہوم میں بھی (دشمن کی طرف) چلنا اور حرکت کرنا شامل ہے، گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کو چاہے ”سیرة“، کا نام دیا جائے، یا مغازی کا دونوں میں دنیا کے لیے حرکت کرنے چلنے اور دوسروں کو چلانے خود عمل کرنے اور دوسروں کو عمل پر متوجہ کرنے کا مفہوم شامل ہے یوں تو اللہ تعالیٰ نے روز ازل سے یہ عنوانات اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار عمل اور اخلاق و سیرت کے لیے مخصوص فرمادیے تھے یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں کبھی بھی ان الفاظ کا استعمال سابق انبیاء علیہم السلام کے کردار و عمل کے لیے نہیں ہوا تھا اور ان کا استعمال پہلی مرتبہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار کے لیے ہوا اور پھر ضمنی مفہوم کے تحت دوسروں کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔

۳۔ پہلی صدی ہجری میں سیرت نگاری:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں تمام ”قرآن و سنت“ تمام علوم و فنون کا مرجع تصور ہوتا تھا اور مسلمانوں کو کسی دوسرے علم یا فن کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی، لیکن جب صحابہ کرام کا دور آیا تو مختلف علوم و فنون ایک دوسرے سے الگ اور اس سے واضح ہونے لگے، تو اس دور میں جو علوم مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بنے، ان میں ایک ”مغازی و سیرت کا بھی تھا“۔

کتب مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ کے اخلاق و سیرت مبارکہ کے لیے لفظ سیرت ہی استعمال ہوتا تھا چنانچہ ایک حدیث نبوی میں ہے:

اللهم حَسِّنْ سِيرَتِي كَمَا حَسَّنْتَ صُورَتِي۔ (۱۱)

اے اللہ جس طرح تو نے میری صورت عمدہ بنائی ہے اسی طرح میرے سیرت و اخلاق کو بھی عمدہ بنا دے۔ اور اس مفہوم میں ہمیں اس لفظ کا استعمال حضرت علی بن ابی طالب کے ایک خطبے میں ملتا ہے، چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں ہے:

قام علی رضی اللہ عنہ علی المنبر فذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و استخلف ابوبکر رضی اللہ عنہ فعمل بعلمه و سار بسیرته حتی قبضہ اللہ عزو جل علی ذالک ثم استخلف عمر رضی اللہ عنہ علی ذالک فعمل بعلمها و سار بسیرتها حتی قبضہ اللہ علی ذالک (۱۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ (خطبہ دینے کے لیے) اٹھے، تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور پھر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور ان کی جگہ (حضرت) ابوبکر خلیفہ بنا دیئے گئے، تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور سیرت کے مطابق عمل کیا، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا، پھر حضرت عمرؓ ان کے جانشین بنے، تو انہوں نے ان دونوں کے طرز عمل اور سیرت کے مطابق عمل کیا، تا آنکہ ان کی وفات ہو گئی۔

اس روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ دونوں کے طریقہ عمل اور مضاج عمل کے لیے لفظ ”سیرت“ استعمال کیا ہے اور یہ وہی مفہوم ہے جس میں دوسری صدی کے نصف آخر کے بعد اس لفظ کا استعمال شروع ہوا۔ (۱۳)

اسی طرح جب صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی، تو اس وقت جو الفاظ ادا کیے جاتے تھے وہ یہ تھے:

ابایعک علی و سنة رسولہ و سیرة ابی بکر و عمر (۱۴)

میں آپ کی فلاں فلاں بات پر اور اس کے رسول اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے طریقے کے مطابق تیری بیعت کرتا ہوں۔

اسی طرح مستند الدارمی کے مقدمہ میں ہے:

فما رأیت قوماً یتسر سیرةً منہم (۱۵)

میں نے ان سے زیادہ آسان سیرت یعنی چال چلن والا کوئی شخص نہیں دیکھا

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدائی دنوں میں لفظ سیرت کا استعمال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت مختلف لوگوں کے حالات و کوائف اور ان کے طریقوں اور رویوں پر ہوتا تھا، لیکن پھر حالات نے پلٹا دکھایا اور دیکھتے

ہی دیکھتے لفظ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ”سیرت“ کی جگہ لفظ مغازی استعمال ہونے لگا۔

اس عنوان کی مقبولیت کی بنیادی وجہ وہ مخصوص حالات تھے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوری بعد جزیرہ نمائے عرب میں پیدا ہوئے، کہ بیک وقت کئی محاذوں پر طویل المیعاد جنگوں کا سلسلہ ایسا شروع ہوا، جو برسوں جاری رہیں اور وقتاً فوقتاً از سر نو شروع اور پیدا ہوتی رہیں۔ ان حالات میں سیرت عہد نبوی کا جو حصہ سب سے پہلے تابعین اور مجاہدین اسلام کی توجہ کا باعث بنا وہ انہی غزوات سرایا کا سلسلہ تھا اس طرح یہ مطالعہ ایک طرف تو مسلمانوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی سیرت سے وابستگی کا ذریعہ تھا اور دوسری طرف یہ اسلام کے نظام حرب (حربیات Wars) کے مطالعے کا باعث بھی تھا۔

اس طرح یہ عہد نبوی میں ہونے والی جنگوں کی حکمت عملی، ان کے انداز اور منہج کے بارے میں عوام و خواص کی توجہ کا مرکز بن گیا۔

”مغازی رسول کی اس مقبولیت کا ایک فوری سبب اس وقت کے حالات میں جنگوں کی عوامی مقبولیت تھی قدیم عربوں کی ادبی تاریخ کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کے مختلف ابطال (Heroes) تھے اور اہل عرب ان کے جنگی کارنامے اپنی مجالس میں سنتے تھے اور اس پر خوشی محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ اسلام کی آمد کے بعد جب پرانے تصورات بدل گئے اور قدیم زمانے کے ہیروز یرو بن گئے، تو ان کی جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مغازی نے لے لی اور یہ سنی اور سنائی جانے لگیں، اور انہوں نے بہت جلد ”عوام مقبول“ کہانیوں کا درجہ حاصل کر لیا، اس کے لیے اس دور کے معتبر اور ثقہ لوگوں میدان عمل میں آنا پڑا اور ”مغازی رسول“ کی اصلی اور سچی کہانیاں لوگوں کو بتانا پڑیں۔

اس دور میں جو حضرات مغازی نگاری میں زیادہ معروف ہوئے، ان میں حضرت عبداللہ بن عباس بھی تھے، چنانچہ ان کے ایک شاگرد عبداللہ بن عقبہ ان کے متعلق نقل کرتے ہیں:

ولقد كان يجلس يوماً لا يذكر الا الفقه ويوماً التنا ويل ويوماً المغازی ويوماً الشعر ويوماً
ايام العرب (۱۷)

حضرت عبداللہ بن عباس کسی روز صرف فقہ پر، کسی روز تفسیر قرآن پر، کسی دن سیرت و مغازی پر، کسی دن شعر و شاعری پر اور کسی دن قدیم عربوں کے حالات پر گفتگو فرماتے تھے۔

اسی طرح انہیں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے متعلق ان کے ایک اور شاگرد بتاتے ہیں:

ہم ان کی خدمت میں آتے، تو شام کے پورے وقت میں وہ ہمارے سامنے مغازی بیان کرتے،

انہوں نے اس بارے میں جو کچھ لکھا وہ اتنا تھا، کہ ایک اونٹ کا بوجھ ہو سکتا تھا۔ (۱۸)

اسی بنا پر ابتدائی دو صدیوں میں ”سیرت طیبہ“ پر مدون ہونے والا سرمایہ اسی عنوان کے تحت مرتب کیا گیا تاہم جلد ہی ایک اور تبدیلی آتی اور دوسری صدی ہجری میں ”مغازی“ کے ساتھ ساتھ ”سیرۃ“ کا لفظ بھی اسی معنی و مفہوم میں استعمال ہونے لگا، جس کا ابتدائی ثبوت ہمیں ”محمد بن اسحاق“ کی کتاب کے نام سے ملتا ہے جو اس طرح تھا: کتاب السیرۃ و المبتدا و المغازی (۱۹)

یہاں انہوں نے کتاب کے نام میں ”سیرۃ“ اور مغازی دونوں الفاظ کو جمع کیا ہے، جس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں ”المغازی“ کا نام ”سیرۃ“ طیبہ کے لیے زیادہ معروف تھا جیسا کہ الواقدی، (م ۲۰۷ھ/۸۲۲ء)، معمر بن راشد (۱۵۴ھ)، اور ابوالحسن علی بن محمد المدائنی (۲۳۵ھ)، اور موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) کے ہاں ملتا ہے تاہم اس دور میں سیرۃ کا لفظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگوں کے حالات و سوانح نے دونوں کے لیے مستعمل تھا۔ (۲۰)

پھر جب عبدالملک بن ہشام، المعروف بہ ابن ہشام (م ۲۱۳ھ) نے محمد بن اسحاق کی السیرۃ کو تہذیب و تلخیص کے ساتھ طبع کیا اور اس کا نام ”السیرۃ النبویۃ“ رکھا تو اس کے بعد رفتہ رفتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے لیے المغازی کا نام متروک ہو گیا اور ”سیرۃ“ کا عنوان اس مقصد کے لیے وسیع پیمانے پر اختیار کر لیا گیا چنانچہ اس کے بعد کتابوں کے ناموں میں ہمیں یہ تبدیلی واضح طور پر نظر آتی ہے پھر ایک وقت آیا کہ جب یہ لفظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شمائل کے لیے مخصوص ہو گیا یہ استحکام تیسری اور چوتھی صدی میں جا کر پیدا ہوا۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری میں اس نوع کی ہمیں کئی کتابیں ملتی ہیں، جن میں یہ تبدیلی محسوس کی جا سکتی ہے۔

بلور مثال ابوالحسن احمد بن فارس بن زکریا اللغوی (م ۳۹۵ھ) کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جن کی کتاب ”مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یا اوجز سیر خیر البشر ہے“ جو بہمی اور انقرہ وغیرہ سے طبع ہو چکی ہے۔

۳۔ تدوین سیرۃ میں غیر عربوں کی خدمات:

جب دنیا میں اسلام کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوا تو اس وقت پوری دنیا میں عموماً اور جزیرہ نمائے عرب و حجاز میں خصوصاً غلامی کا دور دورہ تھا اسلام اگرچہ غلامی کے خلاف ہے، لیکن چونکہ اس وقت کے حالات میں اسے

یک طرفہ طور پر ختم کرنا ممکن نہ تھا، اس لیے اسے ایک وقتی برائی کے طور پر قبول کر لیا گیا اور ایسی ہدایات اور تعلیمات دی گئیں، جن کے زیر اثر آہستہ آہستہ دنیا سے غلامی کا سدباب ہو جاتا۔

غلامی کے اس نظام میں جہاں بہت سی خرابیاں اور برائیاں تھیں، وہاں کچھ خوبیاں بھی تھیں، جن میں سے ایک یہ تھی کہ اس سے ایک ایسا مخلوط معاشرہ وجود میں آتا تھا، جس میں دنیا بھر کی اقوام کی نمائندگی ہوتی تھی چنانچہ اسلامی فتوحات کے نتیجے میں جب بیرون عرب یا عجم کے مختلف خطوں کے لوگ غلام بنا کر اسلامی معاشرے میں لائے گئے، تو اس سے وہ وسیع علمی اور فکری تحریک برپا ہوئی، جس نے قدیم یونان کی یاد دلوں سے محو کر دی۔

چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ دوسرے علوم و فنون کی طرح ”علم السیرۃ والمغازی“ میں عجمیوں یا غیر عربوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے یہ غلام ایسے ماحول یا ایسے علاقے یا ایسے خاندانوں سے سرزمین عرب میں آئے یا لائے گئے تھے، جن کا ماضی علمی اور فکری روایات کا حامل تھا یا وہ غیر عربوں میں لکھنے لکھانے اور پڑھنے پڑھانے کے طور طریقوں سے واقف تھے اور انہوں نے اپنی اپنی خاندانی یا قومی روایات کو عرب کی سرزمین پر متعارف کرایا عہد نبوی میں اس نوع کی مثال حضرت سلمان فارسی اور ان کی غزوہ خندق کے موقع پر دیئے جانے والے مشورے سے دی جا سکتی ہے، جبکہ سیرت نگاری کے میدان میں اس کی واضح ترین مثال امام السیرۃ والمغازی ”محمد بن اسحاق“ کی ہے، جن کے اجداد کا تعلق ایران کے خطے سے بیان کیا جاتا ہے۔ (۲۱)

اس طرح اسلام کو علوم و فنون کی تدوین کے اس دور میں غیر عربی نسل سے تعلق رکھنے والے ایسے بلند پایہ علماء کی خدمات حاصل ہو گئیں، جو دنیا کے مختلف مستعد علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، اور یوں اس بابرکت علم کی تدوین میں عرب و عجم کی مہارتوں اور محنتوں نے باہم مل کر ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ جس میں اس علم کی نشوونما اور اس کی تصنیف و تدوین کو مثالی ماحول میسر آ گیا۔

یہاں ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علوم و فنون اسلامیہ کی تدوین میں مسلمانوں نے غیر عربوں کے علوم و فنون سے مدد لی تھی جس طرح مستشرقین کا یہ دعوٰی ہے، البتہ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کو ایسے لوگ ضرور میسر آ گئے، جن کی تعلیم و تربیت غیر عربوں کے علوم و فنون کی روشنی میں ہوئی تھی اور جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کے سابقہ مذاہب تو ان کے پیچھے رہ گئے، البتہ ان کا ذہنی اور فکری مستوی علوم اسلامیہ کی خدمت اور ان کی ترقی کے لیے بے حد مفید ثابت ہوا۔

اس ضمن میں بطور مثال حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت کعب الا جبار اور وہب بن منہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ یہ تینوں حضرات قبول اسلام سے قبل قدیم علوم و فنون میں ایک مسئلہ مقام کے حامل تھے، اور جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کی علوم سابقہ میں مہارت اور تبحر اسلام کے کام آیا اور گواہ ابتدائی سالوں میں ان تینوں حضرات سے اسرائیلیات کی صورت میں ہمیں یہود و نصاریٰ کی روایات کے انبار کا بھی سامنا کرنا پڑا، (۲۲)، جنہوں نے مسلمانوں کے علوم و فنون پر قدرے حنفی اور غیر مفید اثر ڈالا، لیکن اپنے بزرگوں کے حالات زندگی مرعب اور مدون کرنے میں ان بزرگوں کی مہارت نے مسلمان علماء کی بے حد مدد کی۔

اب یہ ثابت ہو چکی ہے کہ شام، عراق اور یمن کے علاقوں میں قدیم زمانے سے تصنیف و تالیف، خصوصاً بزرگوں کی سوانح عمری اور قدیم لوگوں کے حالات زندگی کو جمع کرنے اور روایت کرنے کی روایت کسی حد تک موجود تھی، جس کا تذکرہ ابن الندیم (۲۳) اور دوسرے مؤلفین نے کیا ہے۔

اسی لیے دوسری صدی ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ”سیرت طیبہ“ کی تدوین میں جو وسعت پیدا ہوئی، اس میں عربوں کے ساتھ ساتھ غیر عربوں کی فکری اور ذہنی صلاحیتوں نے بھی بڑا کام کیا اور ان کے ذہن اسلامی علوم و فنون کی کاشت کے لیے بے حد موزوں ثابت ہوئے اور یوں دنیا کا ایک بہترین ”علم“ تخلیق پا گیا۔

۳۔ عہد تالبعین کے اہم ترین سیرت و مغازی نگار:

اس طرح ”مغازی و سیرت نگاری“ کا فن بنیادی طور پر ”علم الحدیث“ ہی سے پیدا ہوا اور عمومی لحاظ سے اسے اسی کی ایک شاخ اور فرع قرار دے سکتے ہیں، تاہم حدیث اور سیرت میں بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ بنیادی فرق یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک مربوط واقعے کے طور پر تذکرہ نہیں ہے، بلکہ ان میں اس دور کے مختلف واقعات کے متعلق کسی ایک واقعے کا ذکر ہوتا ہے، اس لیے ہر محدث کو سیرت نگار اور ہر سیرت نگار کو محدث قرار نہیں دیا جاسکتا (۲۴)

سیرت و مغازی کی ابتدائی نشوونما:

تاریخ کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ اسلام سے قبل عربوں کے ہاں تصنیف و تالیف کی کوئی مستحکم روایت موجود نہ تھی، بلکہ اپنے بزرگوں یا قدیم تاریخ کے متعلق چند روایات کا ذخیرہ تھا، جو ان کے بڑے بزرگ لوگ روایت

کرتے تھے اس طرح ان کے پاس جو بھی تاریخی یا فکری سرمایہ تھا، وہ محض چند روایات تک محدود تھا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ میں لکھنے لکھانے کا فن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند برس پہلے پہنچا تھا اور جب اسلام آیا اس وقت ”مکہ مکرمہ“ میں کل سترہ لوگ لکھتا پڑھنا جانتے تھے۔

پھر جب اسلام آیا اور قرآن کریم کا نزول ہوا، تو یہ تمام مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بن گیا اور پڑھنے پڑھانے اور لکھنے لکھانے کی تمام سرگرمیاں اسی کے گرد گھومنے لگیں۔ دوسری طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا سرمایہ زیادہ تر زبانی نقل و روایت کے ذریعے اگلی نسل تک منتقل ہوتا رہا۔

تاہم جلد ہی یہ احساس پیدا ہوا کہ عربوں کی قدیم تاریخ کو مدون کرنا چاہیے چنانچہ امیر معاویہ (۳۰-۶۰ھ) نے عبید بن شریہ الجریہ کو صنعاء (یمن) سے بلوایا، جنہوں نے ان کے لیے ”کتاب الملوك“ و اخبار الماضیین (۲۵) تصنیف کی۔

قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب نے حضرت امیر معاویہ کی طرف سے قدیم تاریخ کو اسلام سے الگ کر کے مدون کرنے کی یہ کوشش پسند نہیں کی، چنانچہ اس کی جگہ، علمائے اسلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی مرتب اور مدون کرنے کو ترجیح دی اور قدیم تاریخ کو اس کے تابع کر کے پیش کیا اس دور میں احادیث کی تدوین بھی ابھی شروع ہوئی تھی، اسی لیے بہت سے علمائے قدیم تاریخ نگاری کی جگہ ”سیرت نگاری“ شروع کر دی۔

چنانچہ بہت سے ”محدثین“ نے سیرت طیبہ پر ”سرمایہ“ جمع کیا اور یوں عرب کی سرزمین پر قرآن کریم کے بعد سب سے پہلی کتابیں سیرت طیبہ پر مرتب کی گئیں۔

جب معروف جرمن مستشرق و سفٹفلٹ (wustenfldt) نے ۱۸۸۲ء میں ”عرب کے مؤرخین“ پر اپنی کتاب شائع کی (۲۶) تو انہوں نے سنین وفات کی ترتیب کے مطابق ان کے ناموں کو مرتب کیا اور ابن اسحاق سے قبل ۲۷ مؤرخین کا ذکر کیا ان کی مرتب کردہ فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۵۰ھ)

۲۔ زیاد بن ابی سفیان (۵۳ھ)

۳۔ مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ (۵۳ھ)

۴۔ وغفل بن الذہلی رضی اللہ عنہ

- ۵۔ عبید بن شریہ
- ۶۔ ابوکلاب وقاع لسان الحمرة
- ۷۔ الخطیف بن زید بن جعونہ
- ۸۔ زید بن کیاس انمری
- ۹۔ ابن الکوا اللیشکری۔
- ۱۰۔ یزید بن بکر بن داب اور اس کے بیٹے عیسیٰ اور یحییٰ۔
- ۱۱۔ علاقہ بن کریم الکلابی۔
- ۱۲۔ صحار بن عباس (یا عباس) الکلابی۔
- ۱۳۔ عروہ بن الزبیر۔ (م ۹۳ھ)
- ۱۴۔ صالح بن عمران الصفدی۔
- ۱۵۔ عامر الشعفی۔
- ۱۶۔ وہب بن متبہ (م ۱۱۰ یا ۱۱۳ھ)
- ۱۷۔ قتادہ بن دعامہ السدوسی
- ۱۸۔ ابن شہاب الزہری (م ۱۲۱ھ)
- ۱۹۔ ابو محنف لوط۔
- ۲۰۔ شمیل بن عروہ (عروہ) الضبجی۔
- ۲۱۔ موسیٰ بن عقبہ۔
- ۲۲۔ ابو عمیر مجاہر بن سعید الہمدانی۔
- ۲۳۔ شرتی بن قظای
- ۲۴۔ طریف بن طارق المدنی۔
- ۲۵۔ عبد اللہ بن عباس بن ابی ربیعہ المثنوف۔
- ۲۶۔ محمد بن السائب الکلسی۔

۲۷۔ عوانہ بن الحکم (۲۷)

اس موقع پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان میں سے چند لوگوں کے مختصر حالات زندگی اور کوائف بھی دیئے ہیں جن کو سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کا تعلق علم الانساب یا علم التاريخ سے تھا اسی لیے ان کی اکثریت کو مورخ تو قرار دیا جاسکتا ہے، مگر سیرت و مغازی نگار قرار نہیں دیا جاسکتا، اس نسبت سے سیرت نگاروں کی فہرست کے طور پر انہیں نقل کرنا و سٹفلٹ اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تسامح ہے۔

بہر حال فہرست میں سے، سیرت نگاروں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- ۱۔ عروہ بن زبیرؓ
- ۲۔ وہب بن منبہؓ
- ۳۔ محمد بن شہاب الزہریؒ (۵۲م - ۱۲۱ھ)
- ۴۔ محمد بن اسحاقؒ

جبکہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق و سٹفلٹ نے درج ذیل سیرت نگاروں کا ذکر نہیں کیا:

- ۵۔ ابان بن عثمان بن عفانؓ (م ۱۰۳ھ)۔
- ۶۔ یزید بن ابی حبیبؓ (م ۱۲۰ھ)۔
- ۷۔ معمر بن راشدؓ (م ۱۵۳ھ) (۲۸)

جبکہ دوسری طرف جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ زبانی روایت کی صورت میں سیرت نگاری کی ابتدا تو خود عہد نبوی سے ہو چکی تھی اور جب یہ سلسلہ عہد تابعین تک پہنچا تو اس میں مزید زور اور شدت پیدا ہو گئی تو ہمیں یہ فہرست بہت مختصر اور چھوٹی دکھائی دیتی ہے، چنانچہ ایک دوسرے مآخذ میں (سیرت نگاروں) کی جو فہرست دی گئی ہے، وہ

مخصوصاً طویل ہے، اس میں درج ذیل افراد کے نام شامل ہیں:

- ۱۔ القاسم بن محمد ابی بکر الصدیقؓ (م ۱۰۷ھ)
- ۲۔ وہب بن منبہؓ (م ۱۲۲ھ)
- ۳۔ شریح بن سعیدؓ (م ۱۲۳ھ)
- ۴۔ ابوروح یزید بن رومان الاسدیؓ (م ۱۳۰ھ)

- ۵۔ ابو الاسود محمد بن عبدالرحمان بن نوفل الاسدی، یتیم عروہ (م ۱۳۱ھ)
- ۶۔ عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (م مابین ۱۳۰-۱۳۵ھ)
- ۷۔ موسیٰ بن عقبہ (م ۱۳۱ھ)
- ۸۔ محمد بن اسحاق بن یسار المدنی (م ۱۵۱ھ)
- ۹۔ یونس بن یزید الایلی (م ۱۵۲ھ)
- ۱۰۔ معمر بن راشد البصری (م ۱۵۳ھ)
- ۱۱۔ ابو معشر السندی (م بعد از ۱۷۰ھ)
- ۱۲۔ ابو اسحاق الفزاری (م ۱۸۶ھ)
- ۱۳۔ ولید بن مسلم الدمشقی (۲۹)

دوسری صدی ہجری میں جن حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر داد تحقیق دی، ان میں

درج ذیل حضرات شامل ہیں:

- ۱۔ محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ/۲۲۸ء)
- ۲۔ عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (م ۲۱۱ھ/۲۲۸ء)
- ۳۔ سعید بن المغیرہ بن الصیاد المصعبی (م ۲۲۰ھ/۸۳۵ء)
- ۴۔ احمد بن محمد الوراق (م ۲۲۸ھ/۸۴۲ء)
- ۵۔ محمد بن سعد بن منبج الزہری (م ۲۳۰ھ/۷۴۳ء)
- ۶۔ محمد بن عائد القرشی (م ۲۲۳ھ/۸۳۸ء)
- ۷۔ سلیمان بن طرخان التمیمی (م ۲۳۵ھ/۸۵۹ء) (۳۰)
- ۸۔ هشام بن عمار (م ۲۳۵ھ/۸۵۹ء)
- ۹۔ سعید بن یحییٰ الاموی (م ۲۳۹ھ/۸۶۳ء)
- ۱۰۔ عمر بن شیبہ بن عبید (م ۲۶۲ھ/۸۷۵ء)

وغیرہ حضرات شامل ہیں (۳۱)

اسی مصنف نے ان مصنفین سیرت کو کئی طبقات میں تقسیم کیا ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے
۱۔ طبقہ اولیٰ:

اس طبقے میں حضرت ابان بن عثمان، حضرت عروہ (۳۲) شرحبیل اور وہب بن منبہ (۳۳) شامل ہیں ان لوگوں کی کتابیں ہم تک نہیں پہنچیں البتہ سیرت اور حدیث وغیرہ کی معتبر کتب میں ان سے بہت بڑی روایات ہم تک پہنچی ہیں۔ (۳۴)

۲۔ طبقہ دوم:

اس طبقے میں حضرت عبداللہ بن ابی بکر، عاصم، اور الزہری، (۳۵) شامل ہیں، اس طبقے کی کتب بھی ہم تک نہیں پہنچیں البتہ کتب حدیث و سیرت میں ان کی روایات شامل ہیں۔ (۳۶)

۳۔ طبقہ سوم:

اس طبقے میں (۱) موسیٰ بن عقبہ (۲) معمر بن راشد اور (۳) محمد بن اسحاق سے شامل ہیں۔ (یہ تینوں امام زہری کے شاگرد ہیں): (۳) الفراری (۵) الولید، (۶) الواقدی (۷) عبدالرزاق (۸) المصیصی (۹) ابن سعد، (۱۰) الاموی، (۱۱) الواراق، (۱۲) ابن عائد، (۱۳) ابن ابی شیبہ (۱۴) ابن طرخان، (۱۵) ابن عمار شامل ہیں۔

اس طبقے میں شامل علماء کی کتابوں کے اجزا ہم تک پہنچ سکے ہیں۔ (۳۴)
اسی طرح ابتدائی صدیوں کے سیرت نگاروں کی درج ذیل تفصیل دی گئی ہے: (۳۳)

۱۔ سہل بن ابی حمزہ (وفات مابین ۳۱-۶۱ھ/۶۶۲ء)

۲۔ سعید بن سعد بن عبادہ الخزرجی

۳۔ عبداللہ بن عباس (م ۶۸ھ/۶۸۷ء)

۴۔ عروہ بن الزبیر (م ۹۳ھ/۷۱۴ء)۔

۵۔ سعید بن المسیب الخزومی (م ۹۳ھ/۷۱۴ء) ان کا شمار امام زہری کے اساتذہ میں ہوتا ہے انہوں نے نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور فتوحات کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے ان سے امام الطبری نے روایت کی ہے (۳۴)

- ۶- ابو فضالہ عبداللہ بن کعب بن مالک (۹۷ھ/۷۱۵ء) ان سے محمد بن اسحاق نے اپنی کتاب السیرۃ میں اور ابو جعفر الطبری نے اپنی تاریخ میں روایت نقل کی ہے۔
- ۷- حضرت ابان بن عثمان (م ۱۰۱-۱۰۵ھ/۷۱۹-۷۲۳ء) ان سے امام مالک بن انس نے الموطا میں اور ابن سعد اور الطبری نے روایات لی ہیں۔ (۴۵)
- ۸- یزید بن حبیب (م ۱۲۸ھ/۷۴۵ء): ان کا شمار محمد بن اسحاق (صاحب السیرۃ النبویہ) کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔
- ۹- عامر بن شراحیل الشعسی (م ۱۰۳ھ/۷۲۱ء)، ان سے ابو اسحاق السبعمی، سعید بن مسروق، سفیان الثوری، عمش، قتادہ اور مجاہد بن سعید جیسے لوگ روایت کرتے ہیں۔
- ۱۰- القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق: (م ۱۰۷ھ/۷۲۵ء) ان سے امام ابو جعفر الطبری، البلاذری اور الواقدی نے روایت کی ہے۔
- ۱۰- وہب بن منہ (م ۱۱۴ھ/۷۳۲ء) ان سے ابن اسحاق، ابن قتیبہ، المسعودی، المقدسی، الطبری، اور الکسائی نے روایات نقل کی ہیں۔
- ۱۱- حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۰ھ/۷۳۷ء): وہ ثقہ راوی تصور ہوتے ہیں، ان سے ابن اسحاق، الواقدی، الطبری اور ابن سعد نے روایت کی ہے۔
- ۱۲- شرحبیل بن سعید بن سعد بن عبادہ (م ۱۲۳ھ/۷۴۰ء): ان سے یحییٰ بن سعید الانصاری، ابن اسحاق اور امام مالک نے روایت کی ہے۔
- ۱۳- محمد بن مسلم الزہری (م ۱۲۴ھ/۷۴۱ء): ان سے کتب ستہ کے علاوہ امام الطبری اور دوسرے مؤرخین اور سیرت نگار روایت کرتے ہیں۔
- ۱۴- ابو اسحاق السبعمی (م ۱۲۷ھ/۷۴۴ء) ان سے راویوں کی ایک جماعت روایت کرتی ہے، ثقہ راوی تھے، مگر آخر میں ان کا حافظ خراب ہو گیا تھا۔
- ۱۵- یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ المدنی (م ۱۲۸ھ/۷۴۵ء): ان سے محمد بن اسحاق اور ابراہیم بن سعد روایت کرتے ہیں۔

- ۱۶۔ ابوروح یزید بن رومان الاسدی، المدنی (م ۱۳۰ھ/۷۴۷ء): ان سے الواقدی اور ابن سعد روایت کرتے ہیں۔
- ۱۷۔ ابوالاسود المدنی، محمد بن عبدالرحمان بن نوفل، یتیم عروہ، انہوں نے حضرت عروہ بن زبیر (م ۹۳ھ) سے ان کی مغازی روایت کی ہے۔
- ۱۸۔ عبداللہ بن حزام (م ما بین ۱۳۰-۱۳۵ھ/۷۴۷-۷۵۲ء): ان سے امام احمد بن حنبل، الواقدی، الطبری، اور ابن کثیر روایت کرتے ہیں۔
- ۱۹۔ داؤد ابن الحصین الاموی (م ۱۳۵ھ/۷۵۲ء): ان سے امام مالک اور محمد بن اسحاق نے روایت کی ہے۔
- ۲۰۔ موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۰-۱۴۱ھ/۷۵۸ء) معروف سیرت و مغازی نگار۔
- ۲۱۔ سلیمان بن طرخان التمیمی (م ۱۴۳ھ/۷۶۰ء): انہوں نے السیرة الصحیحہ کے عنوان سے سیرت طیبہ پر کتاب لکھی، جس کے صرف ۲۲ صفحات دریافت ہوئے ہیں، جسے فان کریم نے الواقدی کی المغازی کے ہمراہ اس کے آخر میں طبع کر دیا ہے۔
- ۲۲۔ محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ یا ۱۵۱ھ/۷۶۷ء) معروف ترین سیرت و مغازی نگار۔
- ۲۳۔ یونس بن یزید الایلی (م ۱۵۳ھ/۷۶۹ء) ان کا شمار الزہری کے راویوں میں ہوتا ہے۔
- ۲۴۔ معمر بن راشد (م ۱۵۰ یا ۱۵۳ھ/۷۶۷ یا ۷۷۰ء): ان سے بہت سے مؤرخین اور سیرت نگاروں نے روایات لی ہیں۔
- ۲۵۔ ابو محمد عبدالرحمان بن عبدالعزیز الحنفی (م ۱۶۲ھ/۷۷۸ء): الواقدی، اور العتیمی نے ان سے روایت نقل کی ہے۔
- ۲۶۔ محمد بن صالح بن دینار، معروف محدث اور راوی۔
- ۲۷۔ عبداللہ بن جعفر الحزومی المدنی (م ۱۷۰ھ/۷۸۶ء)۔
- ۲۸۔ ابو معشر السندي (م ۱۷۰ھ/۷۸۶ء)، الواقدی اور ابن سعد نے ان سے روایت کی ہے۔
- ۲۹۔ عبدالملک ابوبکر محمد بن محمود بن حزام المدنی (م ما بین ۱۶۷-۱۷۷ھ/۷۸۳-۷۹۳ء)
- ۳۰۔ علی بن مجاہد بن مسلم القاضی الکلبی (م بعد از ۱۸۲ھ/۷۹۸ء)

- ۳۱۔ زیاد البرکائی (م ۱۸۳ھ/۷۹۹ء) ابن اسحاق کے معروف راویوں میں سے ایک۔
- ۳۲۔ ابواسحاق الفزاری، ابراہیم بن محمد بن الحارث (م ۱۸۶ھ/۸۰۲ء) ان کی کتاب کا مخطوطہ جامع القرویین میں ہے۔
- ۳۳۔ سلمہ بن الابرش الانصاری (م ۱۹۱ھ/۷۰۶ء) انہوں نے سیرت پر ایک کتاب لکھی، مگر وہ ضائع ہو گئی۔
- ۳۴۔ یحییٰ بن سعید الاموی (م ۱۹۴ھ/۸۰۸ء)، ان کا صاحب کشف الظنون نے ذکر کیا ہے۔
- ۳۵۔ ولید بن مسلم الدمشقی، (م ۱۹۵ یا ۱۹۶ھ/۸۱۱ء)، الاشعری نے فہرست میں ان کا ذکر کیا ہے۔
- ۳۶۔ یونس بن یحییٰ (م ۱۹۹ھ/۸۱۴ء)۔
- ۳۷۔ ابو حذیفہ اسحاق بن بشر بن محمد البخاری (م ۲۰۶ھ/۸۲۱ء) ابن الندیم نے الفہرست میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔
- ۳۸۔ ابو العباس وھب بن جریر بن حازم الازدی (م ۲۰۶ھ/۸۲۱ء)، انہوں نے بھی ابن اسحاق کی سیرت کو روایت کیا ہے۔
- ۳۹۔ محمد بن عمر الواقدی، (م ۲۰۷ھ/۸۲۳ء)، صاحب کتاب المغازی اور معروف مغازی نگار۔
- ۴۰۔ ابھیثم بن عدی بن عبدالرحمان العسلی (م ۲۰۷ھ/۸۲۳ء) انہوں نے کتاب تاریخ لکھی ہے، مگر ان کی کتاب ہم تک نہیں پہنچ سکی۔ حافظ ابن حجر نے انہیں اخباری اور علامہ لکھا ہے۔
- ۴۱۔ عبدالرزاق الصنعانی (م ۲۱۱ھ/۸۲۶ء)، ان کی روایات کتب ستہ میں مروی ہیں، وہ بہت بڑے محدث تھے۔
- ۴۲۔ عبدالملک بن ہشام (م ۲۲۲ھ) انہوں نے سیرت ابن اسحاق کی تلخیص اور تہذیب کی۔
- ۴۳۔ سعید بن المغیرہ المصیعی (م ۲۲۰ھ/۸۳۵ء)، امام النسائی نے ان سے روایات لی ہیں۔
- ۴۴۔ الازرقی ابو الولید محمد بن عبداللہ (م ۲۲۳ھ/۷۳۷ء)
- ۴۵۔ علی بن محمد المدائنی (م ۲۲۹ھ/۲۲۹ء)۔ بہت بڑے محدث اور اخباری تھے۔
- ۴۶۔ صالح بن اسحاق الجرمی الحوی، (م ۲۲۵ھ/۸۳۹ء) انہوں نے سیرت اور عجیب و غریب خبروں کے متعلق کتاب لکھی ہے، جیسا کہ خطیب البغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے۔

- ۴۷۔ احمد بن محمد الوراق سنن ابن داؤد میں ان سے روایات مروی ہیں۔
- ۴۸۔ محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ/۸۴۳ء)، صاحب الطبقات الکبریٰ۔
- ۴۹۔ محمد بن عائد القرشی (م ۲۳۳ھ/۸۴۹ء)، ابو داؤد اور النسائی میں روایات مروی ہیں۔
- ۵۰۔ عبد اللہ بن محمد بن علی، بن نفیلی الحرانی (م ۲۳۳ھ/۸۴۹ء)، انہوں نے کتاب المغازی کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔
- ۵۱۔ ابن ابی شیبہ ابو بکر عبد اللہ بن محمد (م ۲۳۵ھ/۸۴۹ء)، معروف محدث ہیں، ان سے صحیحین اور سنن ابی داؤد میں احادیث مروی ہیں۔
- ۵۲۔ ہشام بن عمار (م ۲۳۵ھ/۸۵۹ء)
- ۵۳۔ سعید بن یحییٰ الاموی (م ۲۳۰ھ/۸۵۴ء) سنن ابی ماجہ کے سوا باقی کتب مستہ میں ان سے روایات مروی ہیں۔
- ۵۴۔ الزبیر بن بکار (م ۲۵۶ھ/۸۶۹ء)، انہوں نے ازواج النبی کے عنوان سے کتاب لکھی۔
- ۵۵۔ احمد بن الحارث الخرازی (م ۲۵۸ھ/۸۷۱ء)، ان کی مغازی النبی کے عنوان سے ایک کتاب ہے۔
- ۵۶۔ عمر بن شبہ (م ۲۶۲ھ/۸۷۴ء)، انہوں نے تاریخ المدینۃ المنورہ لکھی ہے، جو مطبوع ہے۔
- ۵۷۔ عبد الملک بن محمد الرقاشی البصری، (م ۲۷۶ھ/۸۸۹ء)، ان کی کتاب مغازی النبی ہے۔ (۳۶)
- ابتدائی صدیوں کی ان فہرستوں پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ابتدائی دنوں میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نگاری کا رجحان ایک طاقت و تحریک کی شکل اختیار کر گیا تھا اور اتنی کثرت کے ساتھ اس موضوع پر خامہ فرمائی کی گئی کہ اس کی کوئی اور مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ہے، تاہم افسوس کہ یہ ذخیرہ دستبرد زمانہ کا شکار ہو گیا اور ہم تک نہیں پہنچ سکا۔

حوالہ جات و حواشی

- (۱) البخاری، کتاب کیف کان بدء الوحي، حدیث ۴۔
- (۲) القاموس العصری، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۵۰ء، بذیل مادہ۔ ص ۳۲۸۔
- (۳) طہ، ۲۰/۲۷۔
- (۴) الزبیدی، تاج العروس، تحقیق مصطفیٰ حجازی، مطبوعہ کویت ۱۹۷۳ء، ۱۱۶/۱۶-۱۱۷-۱۱۷۔
- (۵) ابن منظور، لسان العرب، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت بذیل مادہ
- (۶) یوسف، ۱۹/۱۲۔
- (۷) یوسف، ۱۰۹/۱۲۔
- (۸) راغب اصفہانی، مفردات، بذیل مادہ.
- (۹) ڈاکٹر سید عبداللہ، مقالہ سیرت، در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۵/۱۱-۵۔
- (۱۰) ابن منظور، لسان العرب، ۶۸/۱۰۔ بذیل مادہ غزوہ؛ نیز راغب اصفہانی، مفردات، بذیل مادہ.
- (۱۱) احمد بن حنبل، مسند احمد، باہداد اشاریہ۔
- (۱۲) احمد بن حنبل، مسند احمد، ۱۲۸/۱ حدیث ۱۰۵۵، مطبوعہ مصر
- (۱۳) اس عنوان پر مزید تفصیل ابن الندیم کی القہرست اور حاجی خلیفہ کی کشف الظنون سے معلوم کی جاسکتی ہے۔
- (۱۴) مسند احمد، ۱۲۸/۱۔
- (۱۵) مسند دارمی، مقدمہ، ص ۱۸۔
- (۱۶) الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۲۵/۳؛ مطبوعہ ابن سعد، طبقات، ۲/۲-۲۱-۱۲۲۔
- (۱۷) ابن سعد، الطبقات، ۳۶۸/۲۔
- (۱۸) الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۳۳۵/۳۔
- (۱۹) ابن الندیم، القہرست، ص ۱۰۵۔
- (۲۰) ابن الندیم نے اس دور میں مرتب ہونے والی متعدد کتب کے حوالے دیئے ہیں۔ جن کے ناموں میں سیرۃ کالفظ شامل تھا جیسے کتاب سیرۃ ابی بکر و فاطمہ (ص ۱۳۲)، کتاب سیرۃ ارد شیر، کتاب سیرۃ انوشرواں، کتاب سیرۃ عثمان (ص ۲۳۶)، کتاب سیرۃ عمر (ص ۲۳۶) وغیرہ.

- (۲۱) تفصیل کے لیے آئندہ اوراق میں محمد بن اسحاق کے حالات زندگی۔
- (۲۲) یاد رہے کہ ان تینوں حضرات کو اسرائیلیات کے رساطین قرار دیا جاتا ہے۔ (دیکھیے: راقم الحروف کا مقالہ اسرائیلیات، در تکرملہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ)۔
- (۲۳) دیکھیے، ابن الندیم، الفہرست، طبع فلوکل بذیل سیرۃ، بذیل اشاریہ۔
- (۲۴) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مقدمہ سیرت محمد بن اسحاق، ص ۱۰۷۔
- (۲۵) ابن الندیم، الفہرست، ص ۸۹: اس کے متعلق ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ اُس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، مگر آپ سے کچھ نہیں سنا امیر معاویہ کے کہنے پر اس نے کتاب الامثال اور کتاب الملوک مرتب کی، اُس نے طویل عمر پائی (المعارف، مطبوعہ لائینڈن، ص ۲۶۵)۔
- (۲۶) مطبوعہ گوٹنبرگ، ۱۸۸۲ء۔
- (۲۷) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مقدمہ، سیرۃ ابن اسحاق، مطبوعہ لاہور، ص ۱۰۷ بحوالہ سٹیفٹ، مؤرخو العرب (The Arab Historians)
- (۲۸) ایضاً، مقدمہ سیرت محمد بن اسحاق، ص ۱۰۷۔ یز ان حضرات کے تفصیلی حالات کتب سوانح و تذکرہ میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔
- (۲۹) سیرۃ خیر الامام صلی اللہ علیہ وسلم تحقیق سید مصطفیٰ سیب، مکہ المکرمہ، ۲۰۰۱ء موسوعۃ بذیل مؤلفوالسیرۃ، ص ۶۳-۶۵۔
- (۳۰) ایضاً۔
- (۳۱) ایضاً، ص ۶۵۔
- (۳۲) ایضاً ص ۶۵-۱۴۰۲ھ میں ڈاکٹر محمد معطفی الاعظمی نے ان کی کتاب ”مغازی عرودہ“ تحقیق کے ساتھ شائع کردی ہے۔ (مطبوعہ الریاض ۲۰۰۲ء)
- (۳۳) یہ دراصل ان کی مختلف کتب میں موجود روایات کا مجموعہ ہے۔
- (۳۴) نامور مستشرق بیکر نے ان کی کتاب کا ایک حصہ ”اوراق بردیہ“ پر بروایت عبدالمععم بن بنت وہب جرمنی کے شہر ہیڈل برگ سے شائع کر دیا ہے۔
- (۳۵) ایضاً، ص ۶۵۔
- (۳۶) ان کی سیرت الرسول کے دو اجزاء جامعۃ القردینین سے ملے ہیں، جنہیں ڈاکٹر فاروق حمادہ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسماعیل الذکاء نے امام ابن شہاب الزہری کی مختلف کتب میں موجود روایات کو ایک مجموعے میں طبع کر دیا ہے۔
- (۳۷) ان کی کتاب مغازی الواقدی ڈاکٹر مارٹن جوز کی تحقیق کے ساتھ تین جلدوں میں لنڈن سے شائع ہو چکی